انسان دوستی اور تمدنوں کے درمیان گفتگو کا علمبردار، داراشکوہ

پروفیسر سید عزیز الدین حسین
جامیہ ملیہ اسلامیہ، دھلی

داراشکوہ مغل بادشاہ شاہ جہاں اور بیگم ممتاز محل کا بڑا فرزند تھا۔ وہ فلسفہ تصوف اور مختلف مذاہب کے مطالعہ کا شوقین تھا۔ داراشکوہ وسیع النظر بھی تھا اور یہ صفت ہندوستان جیسے وسیع ملک پر حکومت کرنے کے لئے جہاں کہ مختلف مذہبی اور سماجی گروہ بستے ہیں از حد ضروری تھی۔ اس کے کردار کی پاکیزگی، آزاد خیالی، رحم دلی، ہمدردی، انسان دوستی سخاوت وفیاضی اور باپ کی خدمت کے جذبے نے اس کو عوام میں بھی اتنا ہی ہر دلعزیز بنادیا تھا جتنا کہ باپ کی نظروں میں تھا۔

ترک منگول نظریہ بادشاہت کے تحت بڑا بیٹا ہی ولی عہد سلطنت ہوا کرتا تھا۔ مغل بادشاہ اپنے بیٹوں کی تعلیم وتربیت میں بہت دلچسپی لیتے تھے اور خاص طور پر بڑے بیٹے کی پرورش میں کیونکہ وہی ان کے بعد مغل حکمراں ہوتا تھا۔ داراشکوہ کی تعلیم وتربیت میں اس کے دادا جہانگیر، باپ، ماں اور اساتذہ کا بہت دخل تھا۔ ماں کی طرف سے اسے ایرانی تہذیب اور باپ کی طرف سے مغل روایات ملی تھیں۔ اسکے نتیجے میں داراشکوہ کی حیثیت ایک مغل شہزادہ سے بڑھ کر ایک وسیع النظر عالم کی تھی۔ اس طرح جتنے مغل بادشاہ شہزادے اور شہزادیاں گزرے ہیں ان میں داراشکوہ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ علم کے حصول کے بعد دارا میں وسعت نظری پیدا ہوگئی تھی۔ علمی سطح پر بھی اور شخصی حیثیت سے بھی وہ اخوت و رواداری کا حامی تھا۔ عالم تو اس دور میں کافی تھے لیکن اس کے حریت پسند نظریات نے داراشکوہ کو سترہویں صدی کے علماء میں ایک اہم مقام عطا کردیا تھا۔ جس سے اس کی شخصیت کو ایک خاص طرز کا تشخص حاصل ہوگیا۔

پینسٹھ (۶۵) سال کی عمر میں شاہ جہاں عسر البول اور قبض میں مبتلا ہوگیا۔ تکلیف اتنی بڑھی کہ کچھ ہی دنوں میں اس کا اپنی خواب گاہ سے باہر نکلنا اور دربار میں آنا بھی بند ہوگیا۔ ہر شاہی نظام کا طریقہ ہے کہ اگر مقتدر اعلیٰ عوام کی نظروں سے اوجھل ہوجائے تو بڑی بے چینی پیدا ہوجاتی ہے۔

عوام کی بے چینی دور کرنے کی خاطر شاہ جہاں کو دو دفعہ درشن دینے کے لئے جھروکے میں آنا پڑتا۔ شاہ جہاں نے محسوس کیا کہ اس کی حالت تیزی سے گرتی جارہی ہے۔ لہٰذا اس نے امراء ودرباریوں کو جمع کرکے ان کی موجودگی میں دارا کو اپنا جانشین مقرر کیا اور ان کو ہدایت دی کہ شہزادے کی پوری پوری اطاعت کریں۔

لبرل آزاد خیالی کی روایات ہندوستان کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ در اصل اس کی بنیاد دارا شکوہ کے پردادا اکبر بادشاہ نے ڈالی تھی۔ اپنے دور حکومت میں تیرتھ یاترا ٹیکس اور جزیہ کو معاف کرکے، ہندوؤں کو مغل حکومت کا حصہ بنا کر اور ورونداون کے مندروں کو جاگیریں دے کر صلح کل کی سیاست کو جنم دیا۔ اکبر سے پہلے ورنداون کو کوئی مقام حاصل نہ تھا۔ یہ اکبر ہی تھا جس نے ورنداون کو ہندوستان کے نقشہ پر ایک مذہبی زیارت گاہ (تیرتھ استھان) کی حیثیت دی۔ ورنداون میں جتنے مندر ہیں وہ سب اکبر کے ہی عہد میں تعمیر ہوئے۔ ان پالیسیوں کی بناپر مغلوں اور راجپوتوں کے درمیان ایک دوسرے پر اس قدر اعتماد ہوگیا کہ ہلدی گھاٹی کی لڑائی میں اکبر خود نہیں گیا بلکہ اپنی طرف سے راجہ مان سنگھ کو رانا پرتاپ کے مقابلے میں بھیجا۔ مغل بادشاہوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنایا اور اکبر نے ایک مضبوط ہندوستان کا خواب دیکھا۔ اس خواب کی تعبیر کو حقیقت میں بدلنے کے لئے اکبر نے ایک مضبوط مرکز بنانے کی کوشش کی۔ اس لئے کہ جب تک ہندوستان چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا رہے گا ایک مضبوط ہندوستان کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔ اکبر اور رانا پرتاپ کا جھگڑا کوئی ہندو اور مسلمان کا جھگڑا نہیں تھا بلکہ ایک مضبوط مرکز بنانے کی جدوجہد میں ایک چھوٹی ریاست سے جھگڑا تھا۔ اکبر ہندوستان سے کچھ باہر نہیں لے گیا جس طرح انگریز ہندوستان کی دولت کو باہر لے گئے۔ اکبر نے اور اس کے بعد مغل بادشاہوں نے جو کچھ ہندوستان کے لئے کیا وہ ہمارے سامنے ہے۔ اکبر کے سامنے یہ مسئلہ بالکل ایسا ہی تھا جیسے کہ جواہر لال نہرو سردار پٹیل کے سامنے حیدر آباد کا مسئلہ تھا۔ ایک مضبوط ہندوستان کے قیام میں حیدر آباد جیسی ریاست کو آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ بالکل اسی طرح میواڑ کی ریاست کو بھی آزاد نہیں چھوڑا جاسکتا تھا۔ اکبر نے لبرل روایات اور صلح کل پالیسی اپنا کر ایک مضبوط ہندوستان کی بنیاد ڈالی۔

اکبر نے لبرل روایات کی بنیاد سیاسی اور سماجی پالیسیوں کے تحت ڈالی لیکن اس کے پڑپوتے دارا شکوہ نے اپنے دادا کے خواب کو پورا کرنے کے لئے ایک عالمانہ انداز اختیار کیا۔ دارا نے

آزاد خیالی، تقریب مذاہب اور تمدنوں کے درمیان گفتگو کی تبلیغ واشاعت علمی سطح پر کی۔ در اصل اس کی شخصیت پر اس کے دو اساتذہ جن کے زیر سرپرستی اس کی تعلیم وتربیت ہوئی میاں میر اور ملا شاہ بد خشی جو خود وسعت ذہنی اور لبرل روایات کے لئے مشہور تھے، بہت زیادہ اثر پڑا۔ ان علماء کے علاوہ دارا شکوہ نے علم کی طلب میں اس دور کے صوفیاء اور بھکتوں سے بھی تعلقات قائم کئے اور ان سے بھی علم حاصل کیا۔ ان میں شاہ محب اللہ الہ آبادی، شاہ دلربا شاہ محمد اور بابالال داس بیراگی خصوصیت کے حامل ہیں۔ اس نے اپنے کو صوفیاء کے سلسلوں میں قادریہ سلسلہ سے منسلک کیا۔ نتیجے کے طور پر اس کے علم میں مزید اضافہ ہوا اور مزید خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنے علم کو مزید وسعت بخشے۔

دارا شکوہ کے یہاں حقیقت کا علم حاصل کرنے کی لگن تھی۔ بھکتوں سے بات چیت کے بعد اس کو ایسا محسوس ہوا کہ جن مسائل پر وہ پنڈتوں اور بھکتوں سے بات کرتا ہے اس سے اس کی تسکین نہیں ہوتی تھی لہٰذا دارا نے فیصلہ کیا کہ کیوں کہ ہندو مذہب کا تمام تر لٹریچر سنسکرت زبان میں ہے اور بغیر سنسکرت پڑھے وہ ان مسائل کو آسانی سے نہیں سمجھ سکتا۔ لہٰذا سچائی کی تلاش میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے اس نے بنارس کے پنڈتوں سے سنسکرت زبان سیکھی تاکہ وہ ویدوں، رامائن اور مہابھارت کا مطالعہ کر سکے۔ نہ صرف اسنے سنسکرت زبان سیکھی بلکہ اس درجہ لیاقت حاصل کی کہ اس نے کئی سنسکرت کتابوں کے فارسی زبان میں ترجمے بھی کرڈالے تاکہ ان تراجم سے دوسرے علماء بھی مستفید ہوسکیں۔ ان کتب کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے اسلام اور ہندو مذہب کے تقابلی مطالعہ کا فیصلہ کیا۔ تاکہ دونوں مذاہب کی خصوصیات کو اس تقابلی مطالعہ کی روشنی میں پیش کیا جاسکے۔ اس کے نتیجے میں دارا نے ایک کتاب تصنیف کی جس کا نام اس نے ''مجمع البحرین'' رکھا یعنی سمندروں کا سنگم۔ خود نام ہی خوبصورت ہے۔ مجمع البحرین کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ۔

بنام آن کہ او نامی ندارد بہر نامی کہ خوانی سر برآرد

اس کتاب کو اس نام سے شروع کرتا ہوں کہ جس کا کوئی نام نہیں اس کو جس نام سے بھی پکارو وہ سنتا ہے۔ دارا کی یہ کوشش مذاہب کے درمیان قربت اور گفتگو کو عملی رنگ وروپ عطا کرنے کی راہ میں ایک عالمانہ کوشش تھی اس میں کوئی شک نہیں کہ عصر حاضر میں ہندوستان اور ہندوستان کے باہر کی بہت سی یونیورسٹیوں میں مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے شعبہ موجود ہیں۔ لیکن سترھویں صدی کے زیادہ تر علماء کے لئے مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور خاص طور پر اسلام اور ہندو مذہب کا تقابلی مطالعہ ان کی

سمجھ سے باہر کی بات تھی۔ چنانچہ علماء کی ایک کثیر تعداد نے داراشکوہ کی مخالفت شروع کردی۔

درحقیقت داراشکوہ کی اس علمی کاوش کا مقصد یہ تھا کہ جب ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مذاہب سے واقف ہوں گے تو ان کی اصل سمجھ اسلام اور ہندو مذہب کے بارے میں پیدا ہوسکے گی اور جو غلط فہمیاں ایک دوسرے کے درمیان ہیں وہ دور ہوسکیں گی اور اس کے نتیجے میں ہم آہنگی اور میل وملاپ کی فضا پیدا ہوسکے گی۔ مجمع البحرین میں داراکھتا ہے کہ سالک کے حقیقت تک پہونچنے کے اسلام میں چار مقامات ہیں۔ ناصوت، جبروت، ملکوت اور لاحوت ۔ اور اسی طرح ہندو دھرم میں بھی چار مقامات ہیں جاگرت، سوپن، سسوپتی اور ترتیا۔ اور اسی طرح سے مکتی، نجات اور بہشت اور سورگ ایک ہی مقام کی طرف لے جاتے ہیں اس حقیقت کو وہ اس شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

آنہا کہ تو می بینی و می دانی غیر　　در ذات یکیست در نام جدا

یعنی جن چیزوں کو تو دیکھتا ہے اور الگ جانتا ہے وہ درحقیقت ایک ذات کے مختلف نام ہیں۔

داراشکوہ کی یہ کوشش اکبر کی صلح کل کی پالیسی کا ہی حصہ تھی اور انہیں روایات کو سامنے رکھتے ہوئے داراشکوہ علمی سطح پر جامع انداز میں اس تحریک کو مضبوط کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ جس طرح علماء اور صوفیاء کے ایک مخصوص گروہ نے ہندوؤں سے نفرت اور علیحدگی کی پالیسی کا پرچار کیا اسی طرح علماء کا ایک گروہ داراشکوہ کی اس کوشش کا بھی شدید مخالف تھا۔ اور آج بھی بہت سے دانشور اور علماء اسی ذہن کو رکھنے والے داراشکوہ کے مخالف ہیں۔ کچھ پاکستانی اور ہندوستانی مورخین اشتیاق حسین قریشی محمد اسلم اور افتخار احمد غوری ور یوسف حسین خاں، ظہیر الدین فاروقی وغیرہ کا کہنا ہے کہ'' در اصل داراشکوہ کی یہ پوری کوشش اپنے سیاسی مفادات کو حاصل کرنے کے لئے تھی اور اس کوشش کے ذریعہ وہ ہندوؤں کو اپنا ہم نوا بنا کر مغل تخت پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔'' ایسی کوئی بات نہ تو داراکے اپنے بیان سے نکل کر آتی ہے اور نہ ہی اُس دور کے مسلم یا ہندو مورخین نے ہی اپنی تواریخ میں لکھی ہے۔ داراشکوہ نے '' سراکبر'' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ در اصل وہ سچائی کا متلاشی ہے جس سے وہ خود اس کی اولاد، اس کے احباب اور دوسرے سچائی کے متلاشی مستفید ہوسکیں گے۔

۱۶۶۸ کی نام نہاد تخت نشینی کی جنگ کو بھی بعض مورخین اور علماء نے داراشکوہ کی ان کوششوں سے ہی جوڑ دیا ہے۔ ان کی سمجھ ہے کہ داراشکوہ کی یہ تمام تر کوشش تخت کو حاصل کرنے کے سلسلے میں تھی۔ پاکستانی مورخ محمد اسلم اپنے مضمون میں لکھتے ہیں کہ'' تخت نشینی کے لئے جنگ

اورنگزیب اور دارا شکوہ کے درمیان نہ تھی بلکہ اصل معرکہ راسخ العقیدہ اور آزاد خیال مسلمان، شریعت اور آزاد شریعت ، وحدت الوجود اور وحدت الشہود ، پابند شریعت نقشبندیوں اور حضرت مجدد الف ثانی اور ہردے رام کے نظریات کے درمیان تھی۔ اگر اورنگزیب اول الذکر گروہوں کا نمائندہ تھا تو دارا شکوہ موخر الذکر گروہوں کا علمبردار تھا۔'' اپنے اس بیان کو مزید مستحکم بنانے کے لئے محمد اسلم نے ظہیر الدین فاروقی کے اس بیان کا سہارا لیا ہے کہ'' ہندو اکبر جیسا بادشاہ تخت پر دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ روادار اور آزاد خیال حکومت برسر اقتدار آئے مسلمان قانون شریعت کے تحفظ کے خواہاں تھے اور مسلمان اس کوشش میں تھے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ایسے حالات سے دوچار ہونے سے بچ جائیں۔'' اشتیاق حسین قریشی لکھتے ہیں کہ'' دارا شکوہ میں ایسے آثار نظر آرہے تھے کہ وہ بڑھ کر دوسرا اکبر ثابت ہوگا۔ راسخ الاعتقاد طبقے کی امیدیں اورنگزیب پر مرکوز تھیں جو اپنے عقائد واعمال میں نہ صرف راسخ الاعتقاد تھا بلکہ زاہد وتقی بھی تھا'' محمد اسلم لکھتے ہیں کہ اس لئے فطری طور پر ہندوؤں نے دارا شکوہ کی حمایت کی اور راسخ العقیدہ مسلمانوں نے اورنگزیب کا ساتھ دیا کیونکہ وہ راسخ العقیدہ مسلمان تھا۔ اورنگزیب اور شجاع آپس میں مل گئے تھے اور ان دونوں کے درمیان یہ بات طے پائی کہ وہ یہ نعرہ بلند کریں گے کہ قانونی اسلام کو دارا کی کافرانہ گرفت سے محفوظ رکھنا ہے۔ شہنشاہ کو اس بت پرست کی غلامی اور ظلم سے نجات دلانا ہے۔ انہوں نے اپنے لئے محافظ اسلام کے پروقار لقب منتخب کرلیا۔ علامہ اقبال بھی دارا شکوہ کے بارے میں تقریباً یہی رائے رکھتے ہیں۔

تخم الحادے کہ اکبر پرورید باز اندر فطرت دارا بدید

یعنی اکبر نے جو بے دینی کا بیج بویا تھا وہ پھر سے دارا شکوہ کی فطرت میں نظر آتا ہے۔ لیکن اگر ہم شاہ جہاں کے امراء کی فہرست پر نظر ڈالیں جو دارا شکوہ اور اورنگزیب کا ساتھ دے رہے تھے تو وہ بعض ہندوستانی اور پاکستانی مورخین کے بیانات کے بالکل برعکس ہے۔ ۲۴ ہندو منصبدار دارا شکوہ کے ساتھ تھے اور اس کے برخلاف ۲۱ ہندو منصب دار اورنگزیب کا ساتھ دے رہے تھے۔ تو اگر بعض ہندوستانی اور پاکستانی مورخین کے بیانات کے مطابق یہ جنگ مذہب کی بنیاد پر لڑی جارہی تھی تو اس حساب سے تو یہ بات ثابت نہیں ہوئی۔ ۲۱ ہندو منصب دار اورنگزیب کا ساتھ کیوں دے رہے تھے؟ اور ۶۳ مسلم منصب دار دارا شکوہ کے ساتھ جس میں ایرانی تورانی اور افغانی مسلمان منصب دار شامل تھے۔ تو یہ مسلم منصب دار دارا شکوہ کے ساتھ کیوں تھے؟ اگر یہ معرکہ تو دین کی خاطر تھا۔

اور ان مورخین کے مطابق دین اورنگزیب کے ساتھ تھا تو پھر ایسا کیوں کر ممکن ہوا؟

اورنگزیب نے یہ جنگ جیت لی۔ یہ جنگ تخت نشینی نہ تھی اس لئے کہ مغل بادشاہ شاہ جہاں زندہ تھا۔ جیسا کہ پاکستانی اور ہندوستانی مورخین نے سمجھا ہے۔ در اصل یہ ہندوستانی اور پاکستانی مورخین اورنگزیب کو باغی کہنے سے شرماتے ہیں۔ جب کہ اورنگزیب باغی تھا۔ داراشکوہ ولی عہد سلطنت تھا اور بادشاہ وقت کے ساتھ تھا۔اس سے پہلے جب سلیم نے اکبر کے خلاف خرم نے جہانگیر کے خلاف تلوار اٹھائی تو یہی مورخین اسکو بغاوت کہتے ہیں اب جب اورنگزیب ، شاہ جہاں کے خلاف تلوار اٹھا رہا ہے تو اس کو بغاوت کیوں نہیں کہتے؟ حد یہ ہوئی کہ بادشاہِ وقت کو قید بھی کر دیا۔ اورنگزیب خود ایک عالم تھا اور سمجھتا تھا کہ اس کی حیثیت ایک باغی کی ہے۔ اسی کو ختم کرنے کے لئے شیخ عبد الوہاب گجراتی سے یہ فتویٰ حاصل کیا کہ'' شاہ جہاں بیمار ہے اور ضعف کی بناپر کاروبار سلطنت چلانے سے معذور ہے اس لئے اورنگزیب کی دار الحکومت پر فوج کشی شرعاً جائز ہے۔'' تا کہ کامیاب ہونے کی صورت میں کوئی اس کو باغی نہ کہہ سکے۔سلیم یا خرم نے بغاوت کرنے سے پہلے ایسا کوئی فتویٰ علماء سے حاصل نہیں کیا۔ جب داراشکوہ دہلی قید کر کے لایا گیا تو مسئلہ یہ ہوا کہ اس کو کس جرم کے تحت قتل کیا جائے ۔ دارا باغی نہ تھا خود اورنگزیب تھا لہٰذا اب ان علماء کو موقع ملا۔ انہوں نے اس کے علمی کارناموں کو سامنے رکھتے ہوئے اسے ملحد قرار دیا اور علماء نے اس کے محضر الحاد پر دستخط کر دئے جس کے نتیجے میں اورنگزیب نے اس محضر کی روشنی میں داراشکوہ کے قتل کے فیصلہ پر صاد بنایا۔ جب کہ ایک پاکستانی مورخ شیخ اکرام کا کہنا ہے کہ'' داراشکوہ کی تصنیفات میں تلاش وجستجو کے باوجود کوئی ایسا اندراج نظر نہیں آتا جس سے اس کا الحاد ثابت ہو سکے۔'' بہر حال داراشکوہ کو ۱۶۵۹ میں دہلی کے ایک گاؤں خضر آباد میں قتل کر دیا گیا اور عجیب بات ہے کہ جس کو علماء نے ملحد قرار دیا اس کے قتل کے بعد داراشکوہ کی لاش کو ہمایوں کے مقبرے میں دفن کیا گیا۔ اگر وہ علماء کی نظر میں ملحد تھا تو دفن کیوں کیا؟ اس طرح ہندوستان داراشکوہ جیسے عالم قومی یک جہتی انسانیت اور بھائی چارہ جیسے خیالات کے حامی حکمراں سے محروم ہوگیا۔ داراشکوہ نے ایک گراں بہا سرمایہ چھوڑا جو آج بھی قومی یک جہتی کی کے لئے میں مشعل راہ کا کام کر رہا ہے۔لیکن ہم نے داراشکوہ کو پوری طرح بھلا دیا۔